بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہ سرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

○ درسِ قرآن
○ درسِ حدیث
○ خطبات و بیانات
○ تعزیتی مکتوبات
○ دینی مسائل

اداریہ
ولادتِ نبوی ﷺ اور عصرِ حاضر
○
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کا ایک اہم انٹرویو
○
پاکستان میں سیاسی عدمِ استحکام کے اسباب
○
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ؛ رہبرِ انقلاب
○
حضرتِ اقدس شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی یاد

فروری 2014ء / ربیع الثانی 1435ھ - جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 2 - قیمت فی شمارہ: مبلغ 20 روپے - سالانہ ممبرشپ: مبلغ 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 500 روپے

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''ایک دفعہ حضرت (مولانا محمد الیاس) دہلوی رحمہ اللہ سہارن پور تشریف لائے، ہم بیٹھے اپنی سیاسی باتیں کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ہماری باتوں سے اب آپ کو قبض (طبیعت پر انقباض) ہوگی۔ تو فرمایا کہ میں عوام کے اثرات کو جھاڑنے کے لیے صحبت اٹھانے آیا ہوں۔ میں نے کہا: لو یہاں صحبت اٹھانے تشریف لائے ہیں۔

میرا طریق اپنی طبیعت کے مطابق ذرا اَور ہے اور ہر شخص کی طبیعت ہوتی ہے۔ اس کے خلاف اس کو قبض پڑ جاتا ہے۔ تو میں یہ سیاسی اور اَور طرح کی باتیں طبیعت کی بحالی کے لیے بھی کیا کرتا ہوں۔ نیز میرے نزدیک تھوڑی تنہائی اختیار کر کے قدرے یکسوئی کے بعد تبلیغ میں اپنی اصلاح کی نیت سے لگنا چاہیے۔ آپ لوگ جو پڑھاتے ہیں، آپ کو تبلیغ اپنے مشاغل کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرنی چاہیے۔ میرے نزدیک بہت مفید اور ضروری ہے اور ہر شخص کی تبلیغ کا طریق اس کے مناسب حال جدا جدا ہے۔ مجھے تو ہر وقت کی تبلیغ سے قبض پڑ جائے تو میں بحالی طبع کے لیے اَور (یعنی سیاسی) باتیں بھی کرتا ہوں۔''

(مجلس 9/رمضان المبارک 1365ھ/ 7/اگست 1946ء، مقام: رائے پور) (ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 34-33۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ)
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21 راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111, 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

بہترین نظام اور فطرتِ انسانی

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ (1:1)

(سب تعریف کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، جو اقوامِ عالم کا ربّ ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم کے ذریعے سے جو بین الاقوامی نظام قائم کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

یہ نظام' جو اللہ تعالیٰ نے انسانی قوموں میں پیدا کیا ہے اور جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے' بہترین نظام ہے۔ اس سے بہتر نظام ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ اس لیے انسان کو یہ نظام بین الاقوامی پیمانے پر چلانے میں اپنی ساری ہمت اور کوشش صرف کر دینی چاہیے۔

بعض حکما کا قول ہے کہ جو کچھ پیدا ہو چکا ہے اس سے بہتر پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ قول حکمتِ انسانی کے کمال کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن بعض دوسرے حکما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ اس سے بہتر بنا سکتا ہے۔ اگر وہ نہ بنا سکے تو یہ اس کا نقص سمجھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ بلند درجے کے حکما کا قول ہے کہ اس کائنات کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات مختلف ادوار میں منقسم ہے اور ایک دور اپنے پہلے دورے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح اقتضائے حکمت کے مطابق ادوار کا سلسلہ جاری ہے، یہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا۔ لیکن ایک انسان کو تفصیلی علم صرف ایک دورے ہی کا ہو سکتا ہے۔ پچھلے اور آنے والے دوروں کا اسے علم نہیں ہو سکتا۔ البتہ عقلِ سلیم اسے لازماً تسلیم کرتی ہے کہ چوں کہ تعطّلِ صفاتِ الٰہی ناممکن ہے' اس لیے یہ سلسلہ ضرور قائم و دائم رہنا چاہیے۔ ہمیں ادوار کا علم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اب اصل سوال لیجیے کہ کیا جو کچھ ہے' اس سے بہتر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''ہاں'' اور ''نہیں''۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہے' وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک دورے سے دوسرا دورہ بہتر ہونا ممکن ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا' وہ اصل میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ دورے میں جو چیز پیدا ہوئی ہے' وہ اس دورے کی فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے کہ اس دورے میں اس سے بہتر ممکن نہیں۔

ہماری غرض اس سارے بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو ایک خاص فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سارے نظام میں موزوں ہونے کے لیے اس سے بہتر چیز وجود میں آ سکے۔ جو بہترین چیز اس نظامِ عالم میں وجود میں آنی ممکن تھی' وہ وجود میں آ چکی، اس لیے فطرتِ انسانی جو تمام اقوام اور افراد میں مشترک ہے اور انسانی اجتماعیت کی بنیاد ہے' اس میں کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ اس لیے یہ تعلیم جس پر انسانیت کو منظّم کیا جا رہا ہے، بہترین تعلیم ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے لائقِ حمد و ستائش ہے۔

جب یہ معرفت اچھی طرح سے صاف ہو کر انسان کے دل میں جم جاتی ہے تو وہ دینِ اسلام کو دل سے قبول کر لیتا ہے اور اسے اچھی طرح سے سمجھ جاتا ہے۔ اگر یہ معرفت اس کے دل میں راسخ نہ ہو تو وہ لادینی بن جاتا ہے اور وہ راہِ راست سے بھٹک کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔

بہرحال ہر شئے کو وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا پڑتی ہے' جس نے کائنات کے ذرّے ذرّے کو مفید بنایا اور کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیّ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایمان کے منافی باتیں

عن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم:

''لیس المؤمن بالطعّان، و لا باللعّان، و لا الفاحش، ولا البذیّ.''

(حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مؤمن طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا، فحش بکنے والا، بے باک اور بے حیا نہیں ہوا کرتا۔'') (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب حفظِ اللّسان، الفصل الثّانی)

اس حدیث میں چار بُری باتوں کا ذکر ہے اور ان کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ ایمان دار آدمی میں نہیں ہوتیں۔ آج ان چار باتوں کا ذکر آپ کے سامنے ہے، ان پر غور کریں اور پھر اپنی بابت فیصلہ کریں کہ آپ کا ایمان صحیح سلامت ہے یا نہیں؟ یہ چاروں باتیں اجتماعی عیب کی نشانی ہیں، جو اُس سوسائٹی میں رونما ہوتی ہیں، جو پستی کی انتہا کو پہنچ چکی ہوتی ہے۔

طَعّان: اس کے معنی ہیں طعنے دینے والا، یعنی دوسرا اگر کوئی اچھی بات بھی کہے تو ماننے کی بجائے کہنے والے کو ایسا بُرا بھلا کہے کہ وہ اپنا سا مونہہ لے کر رہ جائے۔ یہ بات نیکیوں کے سارے راستے روکنے والی ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ دھوکا دینا تو اچھی چیز نہیں تو دوسرا کھٹ سے کہے کہ ''پہلے اپنی تو خبر لے۔ نو سو چوہے کھا کے بلّی حج کو چلی۔'' فرمایئے! اس بکواس کا کیا اثر ہوگا۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایسا شخص نہ خود اچھا ہو سکتا ہے اور نہ دوسرے کو اچھا بننے دے سکتا ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ ایسے جواب دے۔ اُسے تو ہر ایک کی اچھی بات قبول کر لینی چاہیے اور سچ کہنے والے کی تصدیق کرنی چاہیے۔

لَعّان: وہ ہے جو لعنت کرتا رہے، یعنی کسی شخص سے کوئی برا کام نادانی سے ہو جائے تو اُسے گالیاں دینا اور برا کہنا شروع کر دے اور گُھرکی جھڑکی سے اس کے ناک میں دم کر دے۔ ایسا آدمی کسی کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ وہ اس کو اپنے سے متنفر کر دے گا، بلکہ بعض اوقات تو نیک کام کی طرف سے ہی اس کا دل ہٹا دے گا۔

فَحّاش: بہت زیادہ فحش باتیں کرنے والا۔ ایسا آدمی فحش کام اور بے حیائی کی باتیں کرنے میں دلیر ہوتا ہے۔ گندی گالیاں اور خراب جذبات ابھارنے والے الفاظ، اشارے کنائے اس کی زبان اور مونہہ پر دھرے رہتے ہیں۔

بَذِیّ: وہ ہے جو اپنی حالت بھی ایسی بنائے کہ جسے دیکھ کر لوگوں کے گندے جذبات جوش میں آ جائیں اور وہ ایک تماشا بن کر رہ جائے۔

چاروں قسم کے لوگ مردوں میں ہوں یا عورتوں میں' سوسائٹی کے لیے زہرِ قاتل ہیں۔ جس کے دل میں ذرا بھی ایمان اور اللہ کا خوف ہوگا، اس سے ایسی بات سرزد نہیں ہو سکتی، جس سے لوگوں کی اصلاح کا دروازہ بند ہو جائے اور آوارگی اور فواحش کا دروازہ کھل جائے۔ لوگ اس کی وجہ سے نیکی سے محروم اور شرافت سے متنفر ہونے لگیں یا اس کی وجہ سے بے حیائی اور بُرائی کے دروازے کھل جائیں۔

یہ چاروں کام سوسائٹی کے اجتماعی تقاضوں کے منافی ہیں۔ یہ دوسرے انسانوں کی بے عزتی کرنے اور فضول اور لغو کاموں میں مصروف ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ انسانیت کی توہین اور لغو کاموں میں وقت ضائع کرنا' ایک مومن کا کام نہیں ہوتا۔

اداریہ

ولادتِ نبوی ﷺ اور عصرِ حاضر

انسانی تاریخ اپنے دامن میں بے شمار واقعات وتحریکات کو سموئے ہوئے ہے، لیکن جو شان وعظمت بعثتِ نبویؐ اور ولادتِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے' وہ کسی اور واقعے کو نہیں مل سکی۔ کیوں کہ آپؐ کے ظہور اور وُرُود نے انسانی معاشروں کو ظلم وجبر کے خلاف عدل وانصاف کا ایسا پیغام دیا' جس نے پرانی دنیا کی کایا کلپ کردی۔ یوں یہ واقعہ انسانی تاریخ کا ایک ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوا۔ دنیا میں ایسی تحریکیں بہت کم وقوع پذیر ہوئی ہیں' جنھوں نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا ہو۔ کوئی تحریک صرف ایک پہلو کو متاثر کرتی نظر آتی ہے تو کوئی دو پہلوؤں کے حوالے سے متاثر کن ہوتی ہے، لیکن جو تحریک آں حضرت ﷺ نے شروع کی' وہ ایک جامع تحریک تھی۔ جس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ آپؐ کی برپا کردہ اس عالمی تحریک نے انسانی معاشروں کو ایک جامع نظریۂ حیات دیا، جو ہر عہد کے انسان کے لیے سنگِ میل کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے۔

ماہِ ربیع الاوّل میں آپؐ کی پیدائش اور وفات کے موقع پر آپؐ کی ذاتِ مقدس ہمارے غور وفکر کا مرکزی خیال بننی چاہیے۔ آپؐ کی ذات کے حوالے سے سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ ہم اس بات کا تجزیہ کریں کہ آپؐ کی دعوت کیا تھی اور وہ کون سا طبقہ تھا' جسے آپ ﷺ معاشرتی بگاڑ کا سب سے اہم سبب سمجھتے تھے اور آپؐ نے ان سے مقابلے کی کیا حکمتِ عملی اپنائی۔

تاریخ اور سیرت کے گہرے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کی دعوت کی مخالفت کا اصل مرکز قریش کے چند بڑے سردار تھے' جو اپنی قوم کا طبقہ اشرافیہ تھے۔ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے خلاف ظلم وستم، تکذیب واستہزا اور آپؐ کی دعوت ومشن کے خلاف پراپیگنڈے میں براہِ راست حصہ لیتے تھے اور عوام کو اپنی حمایت کے لیے مجبور کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ عرب کی سرداری اور قیادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جب کہ مال ودولت اور عمر میں ہم بڑے ہیں اور ہم ہی اس منصب کے زیادہ اہل اور مستحق ہیں۔ جن عرب سرداروں نے آپؐ کے خلاف سرگرم حصہ لیا' ان میں چند مندرجہ ذیل ہیں: ابوجہل عمرو بن ہشام، ابولہب بن عبدالمطلب، اسود بن عبدِ یغوث، حارث بن قیس، ولید بن مغیرہ، اُمیہ بن خلف، اُبی بن خلف، ابوقیس بن فاکہہ، عاص بن وائل، نضر بن حارث، عاص بن سعید، عقبہ بن محیط، ابوسفیان بن حرب وغیرہ۔ عربوں کا یہ وہ طبقہ اشرافیہ تھا' جو حجاز جیسے ملک کے پورے نظام پر قابض تھا اور سماج کی ساری طاقت وقوت کا اپنے آپ کو مالک سمجھتا تھا۔ عربی سماج کا مذہب، سیاست، معیشت، تجارت اور قانون انھی کے زیرِ اثر تھا۔ انھی کی خواہش' احکام اور پالیسی کی صورت میں پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتی تھی۔ انھی کے جبر وتشدد اور ظلم اور ناانصافی سے پوری سوسائٹی کرّاہ رہی تھی۔

اسی تناظر میں نامور انقلابی مفکر امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مذہبِ اسلام اعلانِ جنگ تھا ظالم، فاجر، عام مفاد کے ذرائع کے اجارہ داروں کے خلاف' جو پس ماندہ اور غریبوں کی محنت سے اپنے ہاتھ رنگتے اور مذہب کے نام سے عام عربوں کی سادہ لوحی اور توہّمات پرستی سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ مکہ کے قریشی تاجر نہ صرف غیر قریشی عوام کو ذلیل سمجھتے تھے، بلکہ دولت اور زرداری کے ساتھ ساتھ انھوں نے رنگ ونسب کے عجیب وغریب تصورات بنا رکھے تھے۔ یہ لوٹ کھسوٹ ہر ذریعے سے رَوا رکھی جاتی تھی۔ مذہب ہو یا سیاست، تجارت ہو یا اجتماع، اِن سب کا حاصل یہ ہوگیا تھا کہ قریشی تاجروں کی اس چھوٹی سی جماعت کو اَور (مزید) فروغ ملے۔ قریش کے سربرآوُردہ طبقے اگر اِسی رَو میں بہتے چلے جاتے تو ان کا انجام صاف نظر آرہا تھا۔'' (شعور وآگہی)

آپؐ نے مکی زندگی میں انھی طبقوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کی اور قریش ہی کے خاندانوں کے نوجوانوں کو اپنی دعوت کا مرکز بنا کر عوامی حمایت کو منظم کیا۔ انھی کی تنظیمی طاقت سے معاشرے کو ظلم وستم اور انارکی سے نجات دلائی۔ عربوں کا طبقہ اشرافیہ' جو اپنی نسلی برتری کے غرور اور گھمنڈ میں آپؐ کی دعوت کا منکر اور مخالف تھا' ان میں کچھ جنگِ بدر میں مارے گئے، کچھ اُحد میں، کچھ اپنی موت آپ مرگئے اور کچھ نے فتحِ مکہ کے موقع پر ہتھیار ڈال دیے۔ یوں عربی سماج پر اِن کے نظام کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور پراپیگنڈے کے بادل چھٹ گئے، تو لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئے۔

آج ہمیں حضور اکرم ﷺ کی نمونے کی زندگی کو آئینہ بنا کر اپنے معاشرے کی سیاست، تجارت، حکومت، نظام اور مذہبی رویوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ اُمرائے قریش کی مفاد پرستانہ سیاست، استحصالی تجارت، طبقاتی حکومت، ظالمانہ نظام اور منافقانہ طرزِ عمل سے ہماری ملکی اور بین الاقوامی سیاست، تجارت، حکومت، نظام اور طرزِ عمل کیسے مختلف ہے۔ اگر ہمارا معاشرہ اسی طرح کے ظالمانہ اور منافقانہ اقدار اور طرزِ فکر وعمل کا شکار ہے اور ہماری سیاست وقیادت جس اشرافیہ اور الیٹ (ellete) کے ہاتھ میں ہے' وہ ایسے ہی ظالمانہ نظام کی محافظ اور نمائندہ ہے تو سیرتِ نبویؐ ہمیں بہت کچھ سوچنے اور غور وفکر کی دعوت دے رہی ہے۔

اس غور وفکر کے بعد اگلی منزل جدوجہد اور نتائج لینے کی حکمتِ عملی کی ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں مذہب اور سیاست کے عنوان سے سینکڑوں جماعتیں موجود ہیں' جو گزشتہ نصف صدی سے اس معاشرے میں موجود برائیوں کے خاتمے کی دعوے دار ہیں، لیکن برائیوں کا خاتمہ تو دور کی بات ہے' اس میں کمی کے بجائے نت نئے اضافوں کے ساتھ بدی اور برائیوں کا باقاعدہ ایک نظام وجود میں آگیا ہے، جو ہماری مخلصانہ کوششوں کے ساتھ ساتھ ہماری انفرادی نیکیوں اور نیک تمناؤں کو بھی نگل رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے پر مایوسی کے سائے گہرے ہوتے جارہے ہیں۔ اس صورت حال نے سماج میں کئی ایک المیوں کو جنم دیا ہے۔ ایک طبقہ کسی تبدیلی کے بارآور نہ ہونے کے نتیجے میں ذاتی مفاد کے حصول ہی کو زندگی کا مقصد قرار دینے لگا ہے تو دوسرا طبقہ ہر قسم کی جدوجہد سے مایوس ہوکر جدوجہد ہی کو ترک کر بیٹھا ہے اور تیسرے طبقے نے بندوق اٹھا کر تشدد کی راہ اپنالی ہے۔

دراصل یہ سارے روگ سیرت النبی ﷺ کا درست فہم اور ادراک حاصل نہ کرنے کے نتائج ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سیرت سے یہ سبق حاصل کرنے سے قاصر ہیں کہ جب معاشرے میں موجود نظام ہی خرابی کا شکار ہوجائے' اس وقت جزوی تبدیلی اور انفرادی اصلاح سے نتائج نہیں آتے، بلکہ اس سارے نظام کے خلاف ایک ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح آپ ﷺ نے کسی جزوی تبدیلی سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے ایک مکمل سماجی تبدیلی کے عمل کو اختیار کیا اور ہمہ گیر نتائج حاصل کیے۔

آج اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی بے سمت اور منقسم کوششوں کو چھوڑ کر نبوی حکمتِ عملی کا گہرا شعور حاصل کریں اور اپنے تمام مسائل کا حل اسوۂ حسنہ کی روشنی میں تلاش کرتے ہوئے ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کی بنیادیں رکھیں' جہاں انسانیت متنوع مسائل سے آزاد ہوکر ترقی کے راستے پر گامزن ہو۔ (مدیر)

www.rahimia.org

خطبہ جمعۃ المبارک

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادرائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ ومسند نشین خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(مشائخ رائے پورا پنے انداز تربیت میں ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں، وہ ہمیشہ خلق خدا کی دینی اوراخلاقی تربیت میں انتہائی توجہ فرماتے رہے ہیں۔ اُن کے ہاں جہاں قلوب کی تطہیراور صفائی کے لیے مجالس ہائے ذکر کا اہتمام رہتا ہے، وہاں ذہنوں کی آبیاری کے لیے علمی وفکری نشستوں اور اجتماعات کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے پانچویں مسند نشین حضرت اقدس شاہ عبدالخالق آزادؔ رائے پوری مدظلہ کے بیانات اور خطبات کا خلاصہ اور رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ مدیر)

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادؔ رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 13/ ستمبر 2013ء کوادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے مین کیمپس لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن حکیم کی آیت یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝ (119:9) کے تناظر میں اپنی گفتگو میں مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے:

معزز دوستو! انسان کی کامیابی اس بات میں مضمر ہے کہ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کودرست تناظر میں سمجھےاور دین اسلام کی سچی تعلیمات کے حوالے سے اپنی زندگی کے بنیادی مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دے۔ دین اسلام انسان کی کامیابی کا واحد نظام ہے۔ یہ ایسا پیغام حیات ہے، جو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل کا ضامن ہے۔ اس لیے ایک مسلمان جب دین اسلام کی تعلیمات سے وابستگی کا اعلان کرتا ہے تو دراصل وہ یہ عزم اور ارادہ کرتا ہے کہ انسانی زندگی بسر کرنے کے لیے جو قوانین اور ضابطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، انھیں وہ اپنی زندگی میں غالب کرے گا۔ اپنی خواہش، اپنے ارادے اور غیراللہ کی اساس پر قائم نظام حیات کو مغلوب کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام حیات کو پورے معاشرے میں غالب کرے گا۔ ایمان کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ غیراللہ کے بنائے ہوئے تمام نظاموں سے برأت کا اعلان کردے۔ اور اللہ رب العزت کے ساتھ سچا تعلق قائم کرتے ہوئے اس کے نظام کو دنیا میں غالب کرنے کا عزم اور ارادہ کرے۔ اسی عزم وارادے کا نام ایمان ویقین ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے اثرات ونتائج انسانی زندگی میں غلبہ دین کے تناظر میں ظاہر ہونے چاہئیں۔

اگر آج دنیا کے تمام مذاہب کے کلمات یا ان کے نشانات وعنوانات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات طے شدہ ہے کہ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" سے بڑھ کر کوئی کلمہ نہیں ہے۔ کلمے کے تناظر میں تو دین مغلوب نہیں ہے کیوں کہ یہ کلمہ اپنی جامعیت، حریت، وسعت اور اپنی ہمہ گیری میں یہودیت، عیسائیت، ہندومت یا آج کے دور کے مادی نظام ہائے حیات کے نعروں اور ان کے طے کردہ عنوانات سے زیادہ وسیع، ہمہ گیر اور جامعیت رکھتا ہے۔

اگر دنیا کے تمام مذاہب کی عبادات کا جائزہ لیا جائے تو سب سے زیادہ جامع اور بہترین طریقۂ عبادت دین اسلام کا ہے۔ اور آج دنیا کا ڈیڑھ پونے دو ارب انسان عبادات کے اس طریقے کو اپنی زندگی میں کسی نہ کسی طرح رائج کیے ہوئے ہے۔ وہ کلمہ بھی پڑھ رہے ہیں، عبادات بھی کررہے ہیں، بظاہر اس میں یہ مغلوب نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر مسلمانوں کی مغلوبیت کس تناظر میں ہے؟ اسے سمجھنا ہے۔

آج دنیا بھر میں قرآنی تعلیمات کا سماجی، سیاسی اور معاشی نظام موجود نہیں ہے۔ اس حوالے سے مسلمان مغلوب ہیں۔ قرآن حکیم نے اجتماعی زندگی بسر کرنے کے جو اصول اور سیاسی نظام قائم کرنے کی جو اقدار طے کی ہیں وہ ہمیں اپنے معاشروں میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ یا اگر کہیں رسمی طور پر ان کا نام لیا جاتا ہے تو خود مسلمان معاشروں میں نظام کے اعتبار سے مغلوب ہیں۔ مسلمان معاشروں میں دین اسلام کے کلمے کے بجائے دوسرے نعروں، کلموں، اقدار اور رویوں کا غلبہ ہے۔ ہمارے سماجی اور اجتماعی رویّے بھی ظلم کے ہیں اور سیاسی وسماجی تشکیل بھی غیراللہ کی تعلیمات کی اساس پر ہے۔ ہمارے سماجی رشتے، سیاسی تعلقات، معاشی خدمات قرآن حکیم کی طے کردہ اقدار سے متصادم ہیں۔ اب مغلوبیت جس تناظر میں ہے، غور وفکر اور سوچنا بھی اسی تناظر میں ہونا چاہیے۔ ایمان ویقین کے تقاضے بھی اسی تناظر میں پورے کرنا ضروری ہیں۔ کلمہ پڑھنے کو تو حلق سے اوپر دنیا کے ڈیڑھ ارب انسان کلمہ پڑھتے ہیں اور یہ ڈیڑھ ارب کے ڈیڑھ ارب انسان تھوڑی بہت کمی زیادتی سے عبادات کا نظام بھی قائم کیے ہوئے ہیں۔ مسلمان کی شناخت رکھنے والی جو عبادت نماز ہے، ٹوٹی پھوٹی ہر مسلمان کسی نہ کسی درجے میں پڑھتا ہے۔ رمضان کا مہینہ آتا ہے تو دنیا بھر کے ڈیڑھ ارب انسان اس کا احترام ضرور کرتے ہیں، خواہ دکھاوے کا ہو یا ظاہری ہو۔ پھر جتنے مذہبی مراسم سرانجام دینے اور دلانے والے لوگ ہیں، وہ بھی عقائد، عبادات اور چند اَخلاقیات کا وعظ ضرور کہتے ہیں۔ کوئی مسجد، کوئی علاقہ، کوئی مسلمانوں کا معاشرہ ان بنیادی اقدار سے خالی نہیں ہے۔ جہاں مسلمان ہوں گے، چاہے چاروں طرف کتنی ہی غیر مسلم اقوام موجود ہوں، وہ ظاہری طور پر عبادات ضرور کریں گے۔ اپنی شناخت کسی نہ کسی درجے میں برقرار رکھیں گے۔

پھر آخر مغلوبیت کس تناظر میں ہے؟ وہ سماجی زندگی کی بنیادی اقدار کے صحیح فہم وشعور کا نہ ہونا اور ان کی اساس پر اپنے معاشرے کے اجتماعی نظام کے قائم کرنے کے نظریے کا فقدان ہے۔ ایمان کے تقاضوں کی روشنی میں جو سوسائٹی کی اجتماعی ذمہ داریاں ہیں، نہ تو ان کا شعور ہے اور نہ انھیں روبہ عمل لانے کا کوئی لائحہ عمل ہے۔ دراصل یہ ہے ہماری مغلوبیت۔ اور یہی آج ہمارا بنیادی مسئلہ ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ ہمارے معاشرے میں مذہبی ادارے ہیں، مسجدیں، مدرسے، تقریریں، مذہبی تنظیمیں، عقائد، اعمال، دینی مراسم کے فروغ کے لیے کام کرنے والی سینکڑوں انجمنیں بھی ہیں، لیکن ایک انسان کو ایک بہتر انسان بن کر اپنی سماجی تشکیل کیسے کرنی ہے؟ اس کے سماجی فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اس کے سیاسی حقوق کیا ہیں؟ قرآن حکیم تمام انسانوں کے سیاسی حقوق کیا متعین کرتا ہے؟ اس کی معاشی اور اقتصادی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ قرآن حکیم اقتصادی اور معاشی اصول کیا واضح کرتا ہے؟ اس حوالے سے ان امور کا کوئی شعور نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف ہمارا نظام تعلیم، خاص طور پر وہ جس کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے، عصری تعلیمی ادارے، پروفیشنل تعلیم دینے والے ادارے، وہ بھی اپنے پروفیشن کی تعلیم تو ضرور دیتے ہیں، اور وہ بھی اس نقطہ نگاہ سے کہ وہ سرمایہ داری نظام کے تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے آلہ کاری کا کردار کیسے ادا کریں۔ ایک ڈاکٹر دنیا کی فارماسیوٹیکل کمپنیوں کا ایجنٹ بن کر مریضوں کی جیبوں سے پیسے نکالنے کا کام کرتا ہے۔ اس کے پروفیشن کا اعلیٰ کمال یہ ہے کہ وہ زیادہ بڑا ایجنٹ بن کر، زیادہ طاقت وقوت کے ساتھ اس عالمی سرمایہ داری نظام کے لیے لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ بنے۔ اچھا انجینئر فزکس اور کیمسٹری کا پروفیسر وہ قرار پائے گا کہ جو اپنے علم وفن پر عبور رکھے، اس کی فنی اور علمی خدمات عالمی سرمایہ داری نظام کے

مفادات کے لیے روبہ عمل ہوں۔ آپ دیکھئے! یہ تمام علوم وفنون انسانیت کی خدمت کے لیے ہیں، سماجی اقدار کے فروغ کے لیے ہیں۔ بنیادی طور پر ان تمام شعبہ جات کا تعلق انسانیت کے لیے امن، راحت، سہولتیں پیدا کرنے، ان کی انسانی ضروریات کی کفالت کرنے کے لیے ہے، لیکن انھی علوم کے سیکھنے کا نقطۂ نگاہ سامراجی بن گیا ہے۔ انسانی اقدار فنا ہوگئیں ہیں۔

سوسائٹی کے تحفظ کے لیے سیاسی استحکام، معاشی خدمات، امن وامان اور عدل وانصاف کے لیے ادارہ جات قائم کیے جاتے ہیں۔ امن وامان قائم کرنے والی فورسز، پولیس، آرمی، رینجرز ہوں یا مستحکم سیاسی ادارے ہوں، عدلیہ اور انتظامیہ ہوں یا معاشی سسٹم سے متعلق ادارے ہوں، ان کے ذریعے سے سوسائٹی کے اجتماعی فیصلے ہوتے ہیں۔ یہی ان کا بنیادی مقصد ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پرائیویٹ مسلح گروہ سوسائٹی میں موجود نہیں ہونے چاہئیں۔ جنگل کا معاشرہ نہیں کہ ہر آدمی اسلحہ اٹھائے پھرے، خود ہی فیصلہ کرے کہ کون مجرم ہے اور خود ہی گولی سے اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے فیصلے کرنے لگے۔ پرائیویٹ آرمی، پرائیویٹ پولیس فورسز، پرائیویٹ مسلح قوتیں، عدل کے دعوے دار عدالتی جتھے، سیاست کے نام پر گروہ بندیاں، ایک انسانی معاشرے کے لیے بدنما داغ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق سسٹم قائم کیا تو عربوں کے قبائلی معاشرے کو ایک سسٹم کے تابع بنا کر افراد کو ان اداروں کے ساتھ وابستہ کردیا۔ اور یہ کہ اداروں کی اجازت، ان کے ڈسپلن کے بغیر کوئی آدمی تلوار نہیں چلائے گا۔ ٹھیک ہے عربوں کا فخر ہے کہ ہر آدمی کے پاس تلوار ہو، لیکن اس تلوار کے استعمال کے اصول ہیں۔ اس کے لیے ادارے بنادیے گئے۔ باقاعدہ فوجی نظام الگ کردیا گیا، ان کا دیوان، دفتر الگ بنادیا گیا۔ امن وامان قائم کرنے کی فورسز الگ بنادی گئیں۔ عدالتی اختیارات کا سسٹم الگ بنادیا گیا۔ انتظامی امور کو سرانجام دینے کے منتظم الگ متعین کردیے۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی منتظم اور امیر کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتا۔ یہی ادارہ جاتی عمل ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جو پوری افواج کے سپہ سالار ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں معزول کردیا، اور ایک سپاہی کو ان کی جگہ مقرر کردیا۔ جلیل القدر صحابی خالد بن ولیدؓ اپنا عہدہ چھوڑ کر پوچھتے ہیں بتایئے کیا حکم ہے امیر صاحب؟ صحابہ کرامؓ نے اداروں کے فرائض اور ذمہ داریاں، ان کو تسلیم کرنے کا کلچر ڈویلپ کیا، رویّے پیدا کیے۔ یہ ہے ایمان ویقین۔ ایمان ویقین محض ہوا میں اُڑنے کا نام نہیں، تعویذ گنڈے کا نام نہیں، چند عبادات خشوع وخضوع سے کر لینے کا نام نہیں ہے، اپنے آپ کو ایک نظم وضبط، ایک آرڈر کے تحت کام کرنے کا خوگر بنانا ہوتا ہے۔

آج یہ رویہ ختم ہوگیا ہے۔ ہمارے ہاں داخلی امن کے لیے کوئی فورس نہیں، لیکن آج ہمارے ملک میں مسلح جتھے موجود ہیں، جنھیں یہاں کا سسٹم پروموٹ کرتا ہے۔ آپ بتلایئے کہ کیا کسی سوسائٹی میں امن وامان قائم کرنے کے ذمہ دار اداروں کے علاوہ ایسے مسلح دستے سوسائٹی کی ترقی کا باعث ہیں یا قتل وغارت گری اور دہشت گردی کا باعث ہیں۔ ایسے ہی ملک کے اقتصادی وسائل کو لوٹنے کے لیے مافیاز وجود میں آگئے ہیں۔ تاجروں کے گروہ کے گروہ جو صارفین کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ سرمایہ داروں کے گروہ بن گئے، صنعت کاروں کے استحصالی عناصر، جو مزدوروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، جاگیرداروں کے جتھوں کے جتھے، جو کسانوں اور کاشت کاروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ سسٹم ان کو سپورٹ کرتا ہے۔ اب تو وہ پروفیشنل ادارے جن کا بنیادی کام قانون کی بالادستی کا ہے، وہی لاقانونیت کے سب سے بڑے علم بردار بن کر میدان میں آگئے۔ جیسے مذہب کے نمائندوں کا بنیادی فریضہ امن وامان کے ساتھ دین کی دعوت فکر وعمل دینا تھا، آج وہ دہشت گردی کی علامت بن گئے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے نوجوان کو کیا شعور دیا؟ ہمارے عصری تعلیمی اداروں نے جو افرادی قوت تیار کی، ڈاکٹر بنایا، انجینئر بنایا، پروفیسر بنایا، وکیل بنایا، سیاست دان بنایا، اس کو سماجی نقطۂ نگاہ سے، اجتماعی نقطۂ نگاہ سے، سیاسی حوالے سے، معاشی حوالے سے کیا اقدار سکھائیں؟ دنیا کے کسی ملک میں ایسا پرائیویٹ نظام تعلیم جہاں جتھے اور گروہ تیار کیے جاتے ہوں، ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں دس نظام ہائے تعلیم عصری تعلیمی اداروں میں رائج ہیں، جو پروفیشنل تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو سوسائٹی کا باغی اور عالمی سرمایہ داری نظام کا ایجنٹ بناتے ہیں۔ یہ آکسفورڈ سکول سسٹم اور پرائیویٹ سکولز کھمبیوں کی طرح اُگ آئے ہیں۔ جو چاہیں مرضی فیس رکھیں، جیسے چاہیں مرضی لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالیں۔ یہ دے کیا رہے ہیں، ڈیلور کیا کررہے ہیں، رٹے ہوئے طوطے؟ جنھوں نے کیمسٹری زبانی یاد کرلی، جنھوں نے فزکس یاد کرلی۔ آج کل بڑا غلغلہ ہے کہ جی ہم نے سائنس دان بنانے ہیں۔ جس نے ایف ایس سی یا بی ایس سی کیا ہے یا ایم ایس سی کی ہوئی ہے، اس کو ملازمت ملے گی۔ سماجی زندگی سے متعلق سبجیکٹ ریجیکٹ کردیے گئے۔ ان کا تعلیم یافتہ کسی سکول وکالج میں ملازمت حاصل نہیں کرسکتا، لیکن کیا یہ سائنس کے پڑھے ہوئے طوطے اور سماجی سائنس سے جاہل ہماری اجتماعی حالت بدل سکتے ہیں؟ خدا کے لیے ان کو سماجی اقدار سکھائیں، سیاسی حقوق کی ذمہ داری سمجھائیں۔ سسٹم کیسے بنتے اور چلتے ہیں، قانون کا پابند معاشرہ کیسے وجود میں آتا ہے ان کو اس کی کوئی تعلیم دی ہے؟ نہیں! یہ اپنے اپنے پروفیشن کا رٹا لگا کر عالمی سرمایہ داری نظام کی ایجنٹ کمپنیوں کے آلۂ کار بن کر اس ملک سے سرمائے کے فروغ اور ذہانتوں کے فرار کے لیے کردار ادا کررہے ہیں۔ یہ کتنا بڑا جرم کررہے ہیں۔ کبھی غور کیا ہے کہ ہمارا نوجوان، مسلمان نوجوان، اس دھرتی کا نوجوان معاشی حالات سے تنگ آکر یورپ، اٹلی، فرانس، جرمنی میں دَر دَر کی ٹھوکریں کھا رہا اور بھیک مانگ رہا ہے۔ 18، 18، 20، 20 لاکھ روپیہ یہاں ایجنٹوں کو دے کر، انسانی سمگلروں کو زیور بیچ کر، مکان بیچ کر، ڈگریاں ہاتھ میں پکڑے ہوئے وہاں گٹر صاف کرتا ہوا نظر آتا ہے اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہے۔

اگر کوئی قوم اپنے اٹھارہ کروڑ لوگوں کو اپنے ملک میں وسائل نہیں دے سکتی، اس کی معاشی خوش حالی کا کردار ادا نہیں کرسکتی تو انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ وہ دوسروں کے سامنے بھیگ مانگتے ہیں۔ ہم اسلام پھیلانے کے لیے امریکا، برطانیہ، جاپان میں جماعتوں کی جماعتیں بھیجتے ہیں۔ کبھی سوچا کہ ہم نے اسلام کی یہ اقدار وروایات ان اٹھارہ کروڑ لوگوں کو سکھا دی ہیں، جو بھیک مانگنے کے لیے امریکا، آسٹریلیا، کینیڈا بھاگے جارہے ہیں؟ کیا ان کو اپنی سوسائٹی کی سماجی اقدار اور ان کی اساس پر اپنے ملکی سسٹم کو چلانے کا کوئی شعور دیا؟ سوچنے کی بات ہے۔ کہاں بہکے جارہے ہیں؟ دنیا کی ذلت بھی ہے اور آخرت کی ذلت بھی ہے۔

قرآن جیسے عبادات کا طریقہ بیان کرتا ہے، ایسے ہی سوسائٹی میں ایک اچھا شہری بننے کی، اور انسانی حقوق کی پہچان بھی کرواتا ہے، اس کے لیے ہم نے کیا دعوت دی؟ بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بحیثیتِ مجموعی ہم نے یہ رویے اپنی سوسائٹی میں فروغ نہیں دیے۔ ایک بھیڑ ہے، ایک انبوہ ہے، ایک مجمع ہے ہزاروں کا، لاکھوں کا، شتر بے مہار، بغیر کسی نظم وضبط، بغیر کسی ڈسپلن، بغیر کسی نظام، بغیر کسی سوچ وفکر اور یکسوئی کے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 9 پر)

www.rahimia.org

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کا

ایک اہم انٹرویو

(حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ سے آج سے تقریباً پینتیس سال پہلے روزنامہ صداقت کراچی کے نمائندۂ خصوصی برائے حیدرآباد سندھ نے حضرت مولانا عبدالعلیم ندوی کے مکان پر ایک اہم انٹرویو لیا تھا۔ جو اس روزنامے کی 12/ اکتوبر 1979ء کی اشاعت میں طبع ہوا۔ اس انٹرویو کا عنوان ''ممتاز عالم دین اور دانش ور مولانا سعید احمد رائے پوری کا ایک اہم انٹرویو'' تھا۔ اس انٹرویو میں حضرت اقدسؒ نے جہاں جمعیت طلبائے اسلام کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی ہے، وہیں اس دور کے حکمرانوں کی جانب سے نام نہاد اسلامائزیشن کا بھی بڑا بھرپور تجزیہ کیا ہے۔ اس دور میں دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق نوجوانوں کی کیسے رہنمائی کی جائے، اس پر بھی حضرتؒ نے گفتگو کی ہے۔ ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود یہ انٹرویو فکر وعمل کی تازگی رکھتا ہے۔ افادۂ عام کے لیے روزنامہ صداقت کراچی کے شکریے کے ساتھ یہ انٹرویو قارئین رحیمیہ کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ مدیر)

مولانا سعید احمد رائے پوری کا نام علمی اور ادبی حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اور ان کی تعمیری خدمات صرف اہل علم تک ہی نہیں، بلکہ ملک کے عوام بھی ان کی خدمات سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کا تفصیلی تعارف پیش نہیں کررہے۔ آپ گزشتہ روز نجی دورے پر حیدرآباد تشریف لائے۔ اس موقع پر ہم نے ان سے انٹرویو کیا، جو روزنامہ صداقت کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

نمائندہ صداقت جب انٹرویو کے لیے حیدرآباد کے یونٹ نمبر 1 لطیف آباد میں علامہ (عبدالعلیم) ندوی کے مکان پر پہنچا تو وہاں اہل علم کا ایک حلقہ موجود تھا۔ ان میں دینی علوم یافتہ حضرات کے علاوہ دنیاوی علوم کی آخری ڈگری یافتہ، یعنی ایک پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھنے والے صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ خالص علمی باتیں ہورہی تھیں۔ دل قطعی نہیں چاہتا تھا کہ یہ باتیں ختم ہوں، مگر بہرحال فرائض ہیں، جن کی بجاآوری ضروری ہے۔

اپنا تعارف پہلے ہی کرایا جاچکا تھا۔ اس کے باوجود پہلے ہی سوال پر حاضرین مجلس چونک اٹھے اور مولانا سعید احمد رائے پوری مسکرا دیے۔ سوال خالص مذہبی اختلافی نوعیت کا یہ تھا کہ ''کم از کم مجھے بریلوی اور دیوبندی مکتبِ فکر کے درمیان کوئی واضح اور اصولی اختلاف نظر نہیں آتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دونوں مکتبِ فکر متحد ہوکر اہل سنت کی قوت میں اضافہ کرنے کے بجائے انتشار پیدا کرکے سرپھٹول کی فضا پیدا کیے ہوئے ہیں؟ جواب میں انھوں نے کہا کہ یہ بات صحیح ہے دونوں مکتبِ فکر کے درمیان محض فروعی اختلاف ہی ہیں اور مخصوص مفادات کے لیے سامراجی قوتوں کی شہ پر انھیں ہوا دے کر فرقہ واریت اور نفرت کی دیوار کھڑی کردی گئی ہے۔

دیگر سوالات کے جواب میں انھوں نے کہا کہ غیر منقسم ہندوستان میں فروعی اختلافات کے خاتمے، مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے اتحاد اور ترقی کے لیے جمعیت علمائے ہند قائم کی گئی تھی، جس میں مولانا محمد علی جوہر جیسی قابلِ احترام شخصیت بھی شامل تھی۔

1947ء میں قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان میں مسلمانوں کو متحد کرنے کے بجائے روزِ اول سے ہی اس ملک کو کمزور کرنے اور ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے لیے غیر مسلم اور سامراجی طاقتوں کے ملک دشمن عناصر نے ایک طرف صوبائی تعصب اور لسانی نفرت اور دوسری طرف مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ نفرت کے منظم منصوبے پر عمل درآمد شروع کردیا۔ یہ سب کچھ اسلام اور پاکستان کے نام پر کرکے اسلام اور پاکستان کو نقصان پہنچایا گیا۔ فتنۂ قادیانیت اور فرقۂ پرویزیت کو سرکاری طور پر پھلنے پھولنے کا موقع دیا گیا اور فرقہ مودودیت کو سامراجی سرپرستی کے علاوہ سرکاری سرپرستی حاصل رہی، جو آج بھی جاری ہے۔ مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو مسخ کرنے، انھیں دین دار سے بے دین بنانے کے لیے اور ان پر فرقہ مودودیہ کے خودساختہ گمراہ کن عقائد مسلط کرنے کا کام تعلیمی اداروں سے شروع کیا گیا۔ اس مکروہ مہم کے لیے اسلامی جمعیت طلبا کے نام سے جماعتِ اسلامی نے بغل بچہ تنظیم قائم کی اور یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہی کیا گیا۔ 1960ء کے آغاز تک کوئی ایسی تنظیم موجود نہیں تھی، جو ان شیطانی فتنوں کا مقابلہ کرسکے۔ لہٰذا غور وخوض کے بعد جمعیت طلبائے اسلام قائم کی گئی۔ انھوں نے کہا کہ: مجھے فخر ہے کہ یہ کام میرے ناتواں ہاتھوں سے سرانجام پایا۔ محدود وسائل اور فرقہ واریت جیسی شدید رُکاوٹوں کے باوجود طلبا کی یہ تنظیم آج دیگر طلبا سے زیادہ منظم، مضبوط اور فعال ہے۔ اگرچہ اب میں اس کا رُکن نہیں رہ سکتا، مگر یہ ان طلبا کی محبت ہے کہ مجھے انھوں نے جمعیت طلبائے اسلام کا سرپرست مقرر کردیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ: اس تنظیم کو طلبا کی جوق در جوق بھرتی کرکے مفادات حاصل کرنے کے بجائے اسے خالص تعمیری بنیاد پر چلایا جارہا ہے۔ اور جمعیت طلبائے اسلام میں شامل طلبا کو اخلاقی اور عملی تربیت دی جاتی ہے۔ اور ہمارے اراکین طلبا امن اور قومی تحریک دونوں قسم کے حالات میں فعال اور فیصلہ کن کردار ادا کرسکتے ہیں۔ جس کا عملی ثبوت 1977ء کی تحریک کے دوران پیش کیا جاچکا ہے۔ انھوں نے کہا یہ بات غلط ہے کہ جمعیت طلبائے اسلام مفتی محمود یا مولانا غلام غوث ہزاروی کی زیرِنگرانی یا جمعیت علمائے اسلام کی ذیلی تنظیم ہے۔ انھوں نے کہا کہ صحیح اور ٹھوس اسلامی اور قومی خطوط پر بوقتِ ضرورت، اسلام اور پاکستان کی خدمت اور تحفظ کے لیے جمعیت طلبائے اسلام مسلمانوں کی ہر جماعت سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔ انھوں نے کہا کہ جمعیت طلبائے اسلام ہی ملک کی وہ واحد طلبا تنظیم ہے، جسے آج تک نہ تو کوئی حکمران خرید سکا ہے اور نہ ہی کوئی سیاسی جماعت۔ انھوں نے کہا کہ اکابرین اسلام کی فقیرانہ روایت اور مجاہدین اسلام کے جذبۂ جہاد سے ہمارے کارکن سرشار ہیں اور انھی خطوط پر ان کی تربیت کی جاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج یورپ سے ایک نیا مذہبی فتنہ پھر شروع کیا گیا ہے۔ انگریز سامراج نے اسلام، عیسائی، ہندو اور بدھ مذہبوں کی اکٹھی تعلیم وعبادت اور ان کی بیک وقت تربیت کے کام کا آغاز کیا ہے۔ اس طرح تمام مذہبوں پر مشتمل ایک نئے مذہب کا پرچار شروع کیا ہے۔ تاکہ ترقی پذیر تیسری دنیا کے بلاک اور اسلامی ملکوں پر اپنا تسلط نئے انداز سے قائم رکھا جاسکے۔ اس کی مہم پاکستان میں پرویزیت اور فرقہ مودودیت کے ذریعے جاری ہے۔ فرقہ پرویزی قرآن کی آڑ میں نوجوان نسل کو احادیثِ رسولؐ سے متنفر کرکے اسلام سے دور کررہا ہے اور فرقہ مودودیہ انبیا علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ واہل بیت اطہارؓ اور مسلمانوں کے بنیادی عقائد اور اصولوں کا تمسخر اُڑا کر یہ کام انجام دے رہا ہے۔ تاکہ جب یورپ سے نیا مذہب اسمگل ہوکر پاکستان میں آئے تو اسلام سے بیزار نوجوان نسل اسے بلاتأمل قبول کرلے۔

انھوں نے کہا کہ بدقسمتی سے ہمارے تمام مکاتبِ فکر کے علما نے اس فتنے سے آنکھیں بند کررکھی ہیں اور انھوں نے آنکھیں بند کرکے یہ تصور کرلیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا فتنہ ٹل گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ معاشی مسئلہ اس ملک کا سب سے بڑا پیچیدہ اور سنگین مسئلہ

www.rahimia.org

ہے۔ پورے 32 سال سے اقتدار کی مسلسل بے ضابطہ اور غیر جمہوری تبدیلیوں اور حکمرانوں کی ہوسِ اقتدار نے ان مسائل کو حل کرنے کے بجائے مزید اُلجھا دیا ہے۔ پورے 32 سال کے دوران ملک میں نہ تو اسلامی انقلاب آیا ہے، بس اقتدار کی منتقلی کا سلسلہ جاری ہے، جس سے معاشی مسائل کا شکار نوجوان طبقہ مذہب، ملک اور قوم تینوں سے باغی ہوتا جا رہا ہے۔ جس کا تدارک اور اِزالہ ضروری ہے۔ ورنہ پاکستان کو تو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا ہوگا ہی، مگر عالم اسلام کو بھی سنگین ترین نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ اس لیے خالص جدید تقاضوں کی روشنی میں نوجوانوں کا انقلابی طبقہ تیار کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ فوجی حکومت یا مخصوص مفادات پر مشتمل سیاسی حکومت اس ملک اور قوم کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتی، کیوں کہ فوجی حکومت کے دور میں نوکر شاہی عوام کو زندگی سے بیزار کر دیتی ہے اور مخصوص مفادات پر مشتمل سیاسی حکومت عوام کو جمہوریت سے بیزار کر دیتی ہے، جب کہ موجودہ دورِ حکومت میں عوام کو دیگر باتوں سے بیزار کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی بیزار کیا جا رہا ہے۔

اسلامی نظام کے نام پر اسلام کی تعزیری سزائیں نافذ کر کے عوام کو خوف و ہراس میں مبتلا کر کے اسلامی نظام کے نام سے خوف زدہ کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ صرف تعزیری سزاؤں یا عشر اور زکوٰۃ کے نفاذ کا نام اسلامی نظام نہیں ہے۔ اسلامی تعزیری سزاؤں کے نفاذ اور اسلامی ٹیکس وصول کرنے سے پہلے اسلامی معاشرے کا قیام اور اسلامی معاشی نظام کا نفاذ ضروری ہے، ورنہ اسلامی نظام کا نہ صرف ناکام ہونے کا خدشہ ہے، بلکہ عوام اس نام ہی سے کان پکڑنے لگیں اور یہ اسلام دوستی کے بجائے اسلام دشمنی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ: اس ملک میں آج جو کچھ اسلام اور نظریۂ پاکستان کے نام پر عوام کے ساتھ کیا جا رہا ہے، یہ نوکر شاہی کا کارنامہ ہے اور انگریزوں کی طرح آج بھی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے اصول پر عمل درآمد جاری ہے۔

انھوں نے کہا کہ اسلام کی تعزیزی سزائیں نافذ کرنے والے اگر اسلامی نظام نافذ کرنے میں مخلص ہوں تو اسلام کا معاشی نظام نافذ کرنا قطعی مشکل بات نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت شاہ ولی اللہ نے اسلامی مساوات کا نظریہ پیش کیا ہے، یہی اسلام کا معاشی نظام اور نظامِ عدل ہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اور مجاہد و مبلغ اسلام مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار کا مطالعہ کرنے سے اسلام کا مکمل نظام نافذ کرنا بے حد آسان ہے۔

انھوں نے کہا کہ: موجودہ ''اسلامی نظام'' کو اسلامی کہنا' اسلامی نظام کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ کیوں کہ یہ فرسودہ سامراجی اور استحصالی نظام میں پیوندکاری کی گئی ہے۔ سب سے بڑی لعنت اور اسلامی جرم سودی نظام ہے، اس کے خاتمے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ صرف نظام کی اصلاح سے کام نہیں چل سکتا۔ اسلام کی انقلابی بنیادوں پر موجودہ نظام کی بیک جنبشِ قلم تبدیلی اور مکمل اسلامی نظام کا نفاذ ہمارے ملک کے تمام مسائل کا واحد حل ہے، ورنہ اس ملک پر کمیونزم مسلط ہونے کے لیے سہولت فراہم ہوتی رہے گی۔

انھوں نے کہا کہ: اسلامی نظام کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ اسلامی ملک کے ہر شخص کی کفالت حکومت کی ذمے داری ہو، جب کہ موجودہ نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لوٹ کھسوٹ کرنے والے سامراجی گماشتوں، استحصالی طبقہ، نوکر شاہی اور مفاد پرست حکمرانوں کی کفالت کا بوجھ اس ملک کے غریب، کچلے ہوئے استحصال زدہ اور مفلوک الحال عوام کے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ امرا اور بااثر افراد کو تمام سہولتیں حاصل ہیں، وہ اگر جیتے ہیں تو اس ملک میں اور مرنا ہوتا ہے تو امریکا چلے جاتے ہیں۔ کوئی بااثر یا امیر شخص اس ملک میں بھوک، افلاس، بے روزگاری یا علاج معالجے کی عدم سہولت سے نہیں مرتا۔ اگر مرتے ہیں تو بے چارے غریب عوام، جو روزانہ بڑی تعداد میں ان وجوہات کے سبب مرجاتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ: اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تمام سیاسی جماعتیں تبدیلیٔ اقتدار کی بات کر رہی ہیں، مگر انقلاب کی بات کوئی نہیں کرتی۔ اسلامی نظام کے نفاذ کی تمام سیاسی جماعتیں حامی ہیں، مگر اسلامی نظام کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ انھوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ: قومی اتحاد اور موجودہ حکمرانوں نے اسلام کے نفاذ کا نام استعمال کر کے اور اسلام کے نظام پر عمل نہ کر کے اسلام کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے اور عوام کی خواہشات کے برعکس اقتدار کی عوام کو پُرامن منتقلی نہ ہونے کے ردِّعمل سے ملک کی سلامتی متاثر ہونے کے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ ناقص کارکردگی اور غلط منصوبہ بندی کے باعث معاشی بحران شدید ترین ہوگیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ: ہم سے وابستہ علما اور جمعیت طلبائے اسلام عملی سیاست سے لاتعلق ہیں، مگر ہم ملک کے مفادات کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تباہی میں تماشائی بن سکتے ہیں۔ ہم حالات کا جائزہ لے رہے ہیں، جب بھی ہمیں عوام نے پکارا یا ملک اور قوم پر کڑا وقت آیا تو ہم دور نہیں رہیں گے۔ خاموش تماشائی نہیں رہیں گے، بزدلی کا ثبوت نہیں دیں گے، ہمیں مصلحت پسندی سے نفرت ہے۔ ہم اس ملک کے محبِّ وطن شہری ہیں اور ملک کی سلامتی، قوم کی عزت و عظمت کی حفاظت، قومی حقوق کی سربلندی، اسلامی نظام کے نفاذ اور عوام اور قانون کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے اپنا فرض ضرور پورا کریں گے۔ خواہ ہمیں کتنی ہی بڑی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں اور ہمارا انجام جو بھی ہو، کیوں کہ ہماری زندگی اور موت صرف اللہ کے لیے ہے۔ غریب' اللہ کے نام پر قتل ہونے کے لیے نہیں، اس سے نفرت مت کیجیے۔ جو لوگ اللہ کے بندوں کے کام آنے کے بجائے اپنے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں' وہ درست نہیں ہیں۔

(بقیہ: رہبر انقلاب) حضرت اقدسؒ نے ہمیں سمجھایا کہ دین بنیادی طور پر غالب ہونے کے لیے ہوتا ہے اور دین کے غلبے سے مراد اس کے عادلانہ سیاسی، معاشی، تمدنی اور سماجی اصولوں پر مبنی نظام کا غلبہ ہے۔ غلبہ دین کے اس بنیادی تصور اور نظریے کو عملی شکل دینے کے لیے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اپنے والدِ بزرگوار حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری کی ہدایت اور نگرانی میں تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی پاکستان قائم کی۔ نہ صرف قائم کی' بلکہ اس کی ترقی کے لیے ہر وقت تقریباً پورے پاکستان میں دورے کرتے، نوجوانوں سے ملتے اور ان کی تربیت میں مصروف رہے۔ اور تربیت بھی اس نوع کی کہ ایک طرف سامراجی چالوں کو سمجھنے کا شعور دیا اور دنیا میں موجود سیاسی و معاشی نظاموں کے ابطال کو سمجھنے اور ان کے چیلنجز سے نمٹنے کی صلاحیت و اہلیت پیدا کی تو دوسری طرف تزکیۂ نفس کے حوالے سے بھی تربیتی امور پر بھرپور توجہ کی۔ دنیا میں کوئی بڑا اور اجتماعی کام سرانجام دینا یقیناً بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے، لیکن کسی فکر پر ایک جماعت اس طور پر تیار کرنا کہ صاحبِ فکر کی عدم موجودگی میں وہ جماعت مِن و عَن اسی طرح عمل کرتی رہے، یہ بہت اعلیٰ درجے اور عظمت کا کام ہوتا ہے۔ اور یہی کسی شخصیت کی حقیقی عظمت اور کامیابی ہوتی ہے۔ اور یہ اعلیٰ درجے کی کامیابی کا کام حضرت اقدسؒ نے بخوبی انجام دے کر اپنے اکابرین کی ارواحِ مقدسہ کو یقیناً خوش کیا ہے۔ آج اگرچہ حضرتؒ اقدس ہمارے درمیاں جسمانی طور پر موجود نہیں، لیکن آپؒ کے روحانی فیوضات یقیناً ہم پر جاری و ساری ہیں۔ آپؒ کی روحِ مقدس' اعلیٰ علیّین میں اپنے اکابرین اولیاء اللہؒ کے ساتھ مسرور و اور خوش ہے۔ اور یقیناً ہمارے لیے دعاگو ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت اقدسؒ کے اس مشن و تحریک کو کامیابی سے اور استقامت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت، توفیق اور شعور عطا فرمائے۔ آمین!

پاکستان میں
سیاسی عدمِ استحکام کے اسباب

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ کا ایک اہم خطاب

(مشائخ رائے پور کی یہ مستحکم روایت رہی ہے کہ وہ فکر وشعور کو عام کرنے کے لیے ملک بھر کے تبلیغی دورے فرماتے ہیں۔ اور دورانِ سفر احباب و متعلقین کے استفادے کے لیے سیمینار اور علمی و نظریاتی نشستوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ زیرِ نظر خطاب اسی سلسلے کی کڑی ہے، جو حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے راولپنڈی میں راول زون کے زیرِ اہتمام ایک عمومی سیمینار منعقدہ یکم رجون 2013ء میں فرمایا۔ مدیر)

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

معزز دوستو! ہر زندہ سماج میں باشعور افراد اپنے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہیں اور اپنی قوم کے حالات کا شعوری مطالعہ کرتے ہیں؛ جس کے ذریعے وہ مسائل کی نشان دہی اور ان کو حل کرنے کی درست حکمتِ عملی کا تعین کرتے ہیں۔ جب کہ زوال شدہ معاشرے اور قومیں بے شعوری اور غفلت کی حالت میں رہتی ہیں۔ وہ اپنی اجتماعی حالت کا درست تجزیہ نہیں کرسکتیں اور اپنے اجتماعی تقاضوں کو نظرانداز کر کے انفرادی زندگی کی خوگر بن جاتی ہیں۔ جب قومیں ذاتی اور گروہی مفادات کو ترجیح دیں اور اجتماعی مفادات کو پسِ پُشت ڈال دیں تو ان پر زوال آجاتا ہے۔ آج ہم بحیثیتِ مجموعی زوال کا شکار ہیں۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارا نوجوان اپنے معاشرے کا صحیح تجزیہ کرسکے، سیاسی تقاضوں کو سمجھے، معاشی مسائل کا اِدراک حاصل کرے، سماجی زندگی کے باہمی تعلقات کا فہم حاصل کرے اور ان اسباب کو سمجھے؛ جن کی وجہ سے ہمارا معاشرہ زوال کا شکار ہے۔ اس نشست میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ہمارے ملک میں سیاسی استحکام کیوں نہیں؟

سیاست کا بنیادی مقصد کسی معاشرے میں ایک ایسے مستحکم نظام کی تشکیل ہے؛ جس کے ذریعے سے پوری سوسائٹی میں امن ہو۔ سیاسی قوت سے ایک حکومت وجود میں آتی ہے اور حکومتی رٹ کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ انتظامی طاقت کے ذریعے معاشرے کو داخلی انتشار سے بچائے اور بیرونی حملہ آوروں، غیرملکی طاغوتی طاقتوں سے بچانے کے حوالے سے اپنا کردار ادا کرے۔ وہ ملک ترقی کرتا ہے، جس کی سیاسی طاقت وقوت اور حکومتی نظام انسانوں کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جس ملک وقوم میں سیاسی نظام' انسانوں کے بنیادی حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو، وہ ملک وقوم' زوال کی حالت میں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم کی شناخت سیاست سے ہوتی ہے۔ حکومت' قوم کی نمائندہ ہوتی ہے۔ افراد کا انبوہ اس وقت تک ایک الگ شناخت حاصل نہیں کرسکتا' جب تک اس کے اندر ایک مستحکم سیاسی نظام موجود نہ ہو، اس سے ثابت ہوا کہ قوم کی تشکیل اور شناخت میں ایک حکومت کا اہتمام ضروری اور بنیادی تقاضا ہے۔ اس تناظر میں اگر ہم پاکستانی معاشرے کے سیاسی نظام کا تحلیل و تجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہمارا ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں' جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

1۔ ہم اجتماعی طور پر سیاسی شعور سے نابلد ہیں۔ سیاسی کام اور سیاسی نظام میں دخل اندازی کرنے کو ہم ناجائز اور گناہ سمجھتے ہیں۔ سیاست سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ جب کبھی الیکشن آئے اور کوئی نام نہاد سیاست دان ہمارے سامنے آئے تو ہم اس کے جھنڈے اٹھا کر مہینے دو مہینے شور مچائیں۔ یہ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم نوجوان میں ایسا سیاسی شعور پیدا کردیں جس کے ذریعے ہر فرد ملک کی تعمیر و تشکیل کے لیے اپنے ووٹ کی طاقت کو اپنے سیاسی شعور کی بنیاد پر استعمال کرنے کا سلیقہ جانتا ہو۔ ہر فرد کا ووٹ' یعنی اس کا حقّ خود ارادیّت ایک حقیقت ہے۔ یہ ووٹ گلیوں، بازاروں اور محلوں میں تقسیم ہونے لگ جائے۔ جو چاہے آپ کا ووٹ جعلی طور پر ڈال دے۔ یہ آپ کے سیاسی حقوق پر ڈاکہ ہے۔ یہ انسانی حق خود ارادیت کی ناقدری اور اس کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ یاد رکھیں! کسی جغرافیائی حدود کے اندر بسنے والے ہر فرد کا ووٹ اور اس کی سیاسی رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بڑی عمدہ بات کی ہے کہ "ہم یہاں کے لوگوں کو ان کے ووٹ کا شعور اور قیمت بتلانا چاہتے ہیں۔"

ووٹ کی اہمیت تبھی پیدا ہوتی ہے' جب سیاسی شعور ہو۔ جب کہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے مذہبی طبقے کا نظریہ' یہ ہے کہ سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے سیاست کو دین سے نکال دیا ہے۔ جب کہ غیر مذہبی طبقوں نے، جو اپنے آپ کو سیکولر کہتے یا سیاست دان گردانتے ہیں' سیاست کو اپنے گروہی اور طبقاتی مفادات کے حصول کے لیے استعمال کیا ہے۔ انھوں نے ہمیں ہمارے حقّ خود ارادیّت سے محروم کرکے اپنا سیاسی غلام بنالیا ہے۔ آج اٹھارہ کروڑ عوام بھیڑ بکریاں ہیں، جس طرح کوئی چاہے ہانک کرلے جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "ایک مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔" جب کہ یہاں وزرائے اعظم اور وزرائے اعلیٰ کو تیسری تیسری دفعہ باریاں دی جارہی ہیں۔ جن کی لوٹ مار اور پارٹی بازی کی بنیاد پر گروہی مفادات کے حصول کے تجربے ہوچکے، ان کو ملک کے سیاسی نظاموں پر مسلط کردیا گیا ہے۔ آپ نے اس فوج کو تین تین دفعہ مارشل لاء لگانے کی اجازت دی۔ آپ کی سیاسی رائے یہ ہے کہ ہم بحیثیتِ مجموعی سیاسی بے شعوری کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ اس بے شعوری کا نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی نظام کے نام پر اس سوسائٹی پر جو لوگ ہم پر مسلط ہیں' انھیں کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ جو چاہے مرضی کرتے پھریں۔

ہماری سیاسی بے شعوری کا عالم یہ ہے کہ اس ملک کی قسمت کا فیصلہ 1946ء میں امریکا کرے اور 1947ء میں برطانیہ کرے۔ ہماری قسمت کا فیصلہ گورنر جنرلوں کے بعد صدر کریں یا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز کریں، یا سیاسی پارٹیوں کی صورت میں خاندانی لمیٹڈ کمپنیاں اور انصاف کے نام پر مافیاز آجائیں' ہم سیاسی طور پر ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ کسی قسم کے مزاحمتی شعور یا سیاسی شعور کا مظاہرہ نہیں ہوتا، بلکہ انھیں کھلی چھٹی دے دی جاتی ہے۔ اس طرح ایک ظالمانہ سیاسی نظام ہماری سیاسی بے شعوری کی وجہ سے ملک وقوم پر مسلط ہے۔ حکمران طبقات کے مفادات کی نوعیت اور عوام کی سیاسی بے شعوری نے 65 سالوں میں باہم مل کر ایک ایسی مہلک بیماری کی شکل اختیار کرلی ہے، جس نے پورے Region کو جکڑا ہوا ہے۔ کسی بھی ملک میں پیدا ہونے والی صورتِ حال' گرد و پیش کے ملکوں پر اثرانداز ہوتی ہے۔

جب ہم سیاسیات کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد سیاسی نظام کے تین ادارے؛ مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ ہوتے ہیں۔ مقنّنہ کا بنیادی کام قانون سازی ہے اور انتظامیہ کا بنیادی کام ملکی سطح پر بننے والے قوانین پر عمل درآمد کا انتظامی ڈھانچہ تشکیل کردینا ہے۔ عدلیہ کا بنیادی کام اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ بنے ہوئے قانون اور انتظامی فیصلوں کے درمیان عدل وانصاف کی حقیقی صورتِ حال کیا ہے۔ ذرا 65 سالوں میں ان اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لیں۔ آپ کی سیاسی بے شعوری، آپ کے غیر پارلیمانی طرزِ عمل نے یہ نتیجہ پیدا کیا کہ عدلیہ شترِ بے مہار ہے۔

www.rahimia.org

مقننہ درندوں کے انتخابی نشان پر منتخب ہے۔ انتظامیہ ملک وقوم کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ اگر قوم کی اٹھارہ کروڑ عوام باشعور بن جائے، سیاسی انقلاب کا شعور پیدا ہو جائے تو یہ عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کے بڑے بڑے مگرمچھ اٹھارہ کروڑ عوام کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ جس قوم میں سیاسی یا سماجی شعور پیدا ہو جائے' وہاں یہ دوفی صد اشرافیہ کچھ نہیں کر سکتی۔

2۔ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کا دوسرا بنیادی سبب وہ غلط سیاسی نظام ہے' جو نوآبادیاتی دور کے تناظر میں عالمی سامراجی قوتوں نے اس قوم پر مسلط کیا۔ جس کو آج عدلیہ تقدیس کا جامہ پہنا رہی ہے اور جس کو آج پارلیمنٹ اور انتظامیہ مقدس دستاویز سمجھ کر اس کی پوجا کر رہی ہے۔ اس مسئلے کا واحد حل اس نوآبادیاتی دور کے نظام کو سیاسی شعور کی بنیاد پر جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا حل نہیں۔ قوم اگر سیاسی شعور حاصل نہیں کرتی تو غلامی کی سیاہ رات جو پچھلے 65 سالوں سے ہم پر مسلط ہے' وہ طویل سے طویل تر ہوتی چلی جائے گی۔ اس خطے کا نوجوان قومی نقطہ نگاہ سے سیاسی شعور بیدار کر کے اپنی رائے کی اہمیت کو سمجھ کر ایک نظریے اور فکر کے تحت غلامی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے، تو یہی اس کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

قرآن حکیم نے ایسے ہی حالات میں مکہ کے سیاسی نظام کے خلاف نبی اکرم ﷺ کے ذریعے سے صحابہؓ جیسے نوجوانوں کے دل و دماغ میں سیاسی شعور پیدا کر کے اس پورے سیاسی نظام کا بوریا بستر اٹھا کر پھینک دیا۔ صرف یہی نہیں' بلکہ بین الاقوامی ظالمانہ سامراجی نظاموں کو بھی شکست دی۔ آج ہمارے نوجوان کو اس مذہبی طبقے کا انکار کرنا ہے، جو سیاست کا انکار کرتا ہے اور اس نام نہاد سیاست دان کا انکار کرنا ہے۔ وہ غیر جمہوری نقطہ نگاہ سے سامراج کے آلہ کار کے طور پر کام کرتا ہے۔ ہم ان رجعت پسند مذہبی طبقات اور آلہ کار سیاست دانوں سے برأت کا اعلان کرتے ہیں اور قومی نقطہ نگاہ سے سیاسی شعور بیدار کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ وہ شخصیت ہیں' جنھوں نے قرآنی نقطہ نگاہ سے سیاسی شعور پیدا کرنے کی تحریک کا آغاز کیا اور شاہ صاحبؒ کے بعد ولی اللّٰہی جماعت کا ایک تسلسل ہے، جو حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ تک آتا ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس نے قرآنی نقطہ نگاہ سے شعور بیدار کرنے کی جدوجہد کی اور بتلایا کہ بظاہر مذہب کی جتنی رسومات اختیار کی جائیں، آزادی کے نام پر جتنے ڈھنڈورے پیٹے جائیں، سیاست کے نام پر کتنے ہی نعرے لگائے جائیں' اگر وہ قرآنی نقطہ نگاہ سے آزادی اور حریت پر مبنی سیاسی شعور نہیں رکھتے تو یہ غلامی کی بات ہے۔ آج ہم نے نوجوان کے اندر قرآنی نقطہ نگاہ سے سیاسی شعور پیدا کرنا ہے اور اس کو بتانا ہے کہ سیاسیات کیا ہے، سیاسی تقاضے کیا ہوتے ہیں، مقننہ کا سیاسی کردار کیا ہوتا ہے، عدلیہ کا اعلیٰ کردار کیا ہوتا ہے، انتظامیہ بنیادی طور پر کیا کردار ادا کرتی ہے۔ ایک آزاد مملکت میں لوگوں کے تحفظ کے لیے ایک سیاسی نظام کیسے کام کرتا ہے۔ وہ فرسودہ نظام جس نے پوری سوسائٹی کو یرغمال بنایا ہے' اس کے خلاف شعور پیدا کرنے سے قومیں ترقی کرتی ہیں۔

یاد رکھو! نوجوانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنا انبیا علیہم السلام کا کام ہے۔ خطبے میں آپ حضرات کے سامنے جو حدیث پڑھی گئی ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاؑ کرتے تھے۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میرے بعد خلفا ہوں گے اور وہ کثرت سے ہوں گے۔'' گویا وہ بھی بنی اسرائیل کے انبیاؑ کی طرح اپنے اپنے دور میں قوم کی سیاست کریں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاست دین کا اہم ترین تقاضا ہے۔ لہٰذا سیاسی شعور پیدا کرنا' انبیاؑ کی نبوت کو تسلیم کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہے اور سیاسی بے شعوری، انبیاؑ کے مشن سے انکار، نبوت کے بنیادی تقاضوں سے انحراف اور دین اسلام کی سماجی زندگی کی ہدایات سے انکار کرنا ہے۔

آج ہمارے نوجوان کو سیاسی شعور کی بنیاد پر آگے بڑھنا ہے۔ ہم قرآنی علوم کے تناظر میں اپنے معاشرے کے سیاسی، سماجی اور معاشی تقاضوں کو سمجھیں اور اس کا شعور حاصل کریں۔ اپنے ووٹ کی قیمت کو سمجھیں۔ حالیہ الیکشن میں بڑا شور مچایا گیا کہ آپ کا ووٹ بڑا قیمتی ہے، اسے ضرور استعمال کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا ووٹ بڑا قیمتی ہے۔ کیوں کہ یہ ہماری رائے ہے، ہماری سوچی سمجھی گواہی اور شہادت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم یہ حق اور گواہی کسی کرپٹ اور بددیانت کے حق میں استعمال کر دیں؟ یہ ہمارے ووٹ کی توہین ہے۔ یہ ہمارے حق خودارادیت کی توہین ہے کہ چار غلط اور بددیانت افراد اس غلط سسٹم کے ذریعے کھڑے کر دیے جائیں اور کہا جائے کہ ایک غلط آدمی کے حق میں گواہی دے دو۔ یہ ہمارے ووٹ کی توہین ہے۔ بعض علما نے بھی فتوے دیے کہ ووٹ دینا فرض ہے۔ اس انسانیت دشمن نظام میں ووٹ دینا کیسے صحیح ہے؟ آپ ہی بتلائیں کہ آپ کے خاندان میں اگر کوئی نالائق، بدمعاش، احمق، خاندان کو نقصان پہنچانے والے افراد موجود ہوں اور آپ سے کہا جائے کہ آپ ان میں سے کسی ایک کو اپنا نمائندہ بنا لیں تو کیا آپ ووٹ دیں گے؟ کیا حکومت کا معاملہ اتنا غیر اہم ہے کہ جن کی بددیانتی، جن کا جرم تین تین دفعہ تجربہ شدہ ہو، انھیں ووٹ کے ذریعے دوبارہ مسلط کر لیا گیا۔ کسی غلط سسٹم میں ووٹ کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کر کے ایک کرپٹ آدمی کو حکمران بنانا غلط اور ناجائز ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس غلط نظام میں ووٹ ڈالنا فرض ہے' وہ سیاسی طور پر بے شعور ہیں۔ ہمارا ووٹ یہ کہتا ہے کہ ان 65 سالوں کے تمام حکمران اور نظام ہمیں قبول نہیں ہیں۔ ہمیں قومی تقاضوں کے تناظر میں اپنا قومی نظام بنانے کی آزادی چاہیے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی رائے کے اظہار کا سلیقہ سیکھیں۔ یاد رکھیں! جو قومیں اس زندگی میں عزت و افتخار حاصل کرتی ہیں، سیاسی غلبہ حاصل کر کے عدل و انصاف کا نظام قائم کرتی ہیں اور انسانیت کی خدمت کرتی ہیں، جنت کی مستحق بھی وہی ہیں۔ جنت' نبوت کے بنیادی تقاضوں کے مطابق کام کرنے کے نتیجے میں ملتی ہے اور نبوت کا بنیادی تقاضا عدل و انصاف کی سیاست اور انسانی سوسائٹی کی ترقی کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا نوجوان سیاسی شعور کی بنیاد پر اس غلط سسٹم کو اٹھا کر باہر پھینکے اور اپنے قومی تقاضوں کے تناظر میں اپنی قومی زندگی کی تعمیر نو اور تشکیل نو کے لیے کردار ادا کرے۔ یقیناً اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

(بقیہ: خطبہ جمعہ) آج سوچنے کی بات یہ ہے کہ دین ہمیں اچھا شہری بننے کی تعلیم دیتا ہے، اس کا شعور ہم اپنی زندگی میں پیدا کریں۔ ورنہ تو یہ دہشت گردوں کی جلائی ہوئی آگ، یہ سرمایہ داروں کے تیار کردہ جتھوں کے جتھے، یہ پرائیویٹ آرمیاں، اور یہ پرائیویٹ فرقہ وارانہ مذہبی اور غیر مذہبی جھگڑے پوری سوسائٹی کو بھسم کر دیں گے۔ آج ہمیں اس جہنم کی آگ سے نکلنا ہے اور اس سے نکلنے کا واحد راستہ دین اسلام کی ان پُرامن، عدل و انصاف، مساوات اور انسانی حقوق ادا کرنے والی تعلیمات کے شعور، فکر اور نظریے سے وابستگی سے ہی ممکن ہے۔ اور پھر ان کی اساس پر ایک ایسا نظم و ضبط، ڈسپلن ہماری زندگی میں قائم ہو، جس سے دنیا کے جہنم سے بھی نکلیں اور آخرت کے جہنم سے بھی بچیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

رہبرِ انقلاب

از حافظ نورالدین سومرو، شکارپور

اقوام کی تاریخ میں انسانی شخصیات کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ انسانی سماج کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے یا ماضی قریب کو دیکھا جائے، یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ عالی مرتبت شخصیات نے سماج کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان شخصیات نے بنیادی فکر دے کر سوسائٹی کو اعلیٰ قدروں پر پروان چڑھانے کے لیے قوتِ عاملہ تیار کی اور معروضی حالات کے مطابق حکمتِ عملی کے تحت کام کیا۔ جس کے نتیجے میں انسانیت ترقی کے موجودہ درجے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی اور جب کبھی انسانی سماج کی ترقی میں رکاوٹ ڈالی گئی تو ان رکاوٹوں کو بھی مزاحمتی جدوجہد کے ذریعے دور کیا گیا۔ برعظیم ہند کی تاریخ میں، اٹھارویں صدی کے شروع میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ اور ان کی جماعت کا یہ عظیم الشان کردار رہا ہے کہ اس شخصیت اور ان کی تیار کردہ انقلابی جماعت نے ہندوستان کے اُس وقت کے اجتماعی زوال کو سمجھا اور اس زوال کو روکنے اور دوبارہ ترقی و عروج کی طرف گامزن کرنے کے لیے ”فکّ کلّ نظام“ (فرسودہ نظام کا خاتمہ) کے عنوان کے تحت اپنا انقلابی نظریہ و پروگرام ہندوستان کی زوال پذیر سوسائٹی کے سامنے پیش فرمایا۔

ولی اللّٰہی تحریک نے اپنے آغاز 1731ء سے لے کر آج اکیس ویں صدی کے پہلے عشرے تک تقریباً تین سو سال کا تاریخی سفر طے کیا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں اس انقلابی تحریک کے بانی و پیش کار، حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید آزادیٔ ہند کی مورچہ گاہ خانقاہ، خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے سجادہ نشین تھے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ، ولی اللّٰہی تحریک کے اس عظیم الشان تاریخی تسلسل کی ایک اہم کڑی کی حیثیت سے دنیائے انسانیت کے سامنے ظہور پذیر ہوئے، جس میں امام آزادیٔ ہند حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام حریت حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، امام ربانی حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مجاہدین جنگِ آزادی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، بطل حریت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ، سرپرست تحریکِ شیخ الہند حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ جیسے مجاہدین آزادی و اِمامانِ انقلاب و حریت نے اپنے اپنے دور میں انسانیت گیر آفاقی فکر و عمل کی حامل اس انقلابی تحریک کو زندہ رکھا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کی شخصیت ایسی نہیں کہ چند الفاظ کے خراجِ عقیدت کے حصار میں مقید ہو سکے۔ حضرت اقدسؒ کی شخصیت ایک جامع صفات ہستی تھی۔ وہ جامع انقلابِ انسانی کے داعی تھے۔ ان کے سامنے احیائے اسلام کا عظیم مقصد تھا۔ اسلام کے سیاسی، معاشی و سماجی عدل کے نظام کو دنیا میں غالب کرنا اور قرآن کی تعلیمات پر انسانی سماج کی تعمیر و تشکیل نو ان کا پروگرام تھا۔ ولی اللّٰہی تحریک درحقیقت اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اس کے عادلانہ نظام کے قیام کی داعی ہے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اسلام کو اُسی شکل اور طریقۂ کار پر دنیا کے سامنے پیش فرمانے اور اس کی عملی صورت گری اسی طرح کرنا چاہتے تھے جس طرح اسلام اپنے اوّلین دور میں پیش کیا گیا اور اس کی تعلیمات کا عملی نظام مجسم طور پر دنیا نے دیکھا تھا۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا ولی اللّٰہی تحریک میں ایک خصوصی مقام ہے۔ جب ہم ولی اللّٰہی تحریک کا تاریخی حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں تو حضرت اقدسؒ کا کام بعض حوالوں سے اپنے اکابرین سے تاریخی مماثلت رکھتا ہے۔ جس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ولی اللّٰہی تحریک کو 18 ویں صدی سے 19 ویں صدی میں کامیابی سے منتقل کیا اور ولی اللّٰہی فکر پر آزادی کی تحریک کو منظّم کیا اور اس کو پورے ہند کی آواز بنا دیا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اس تحریک کو 19 ویں صدی سے 20 ویں صدی میں داخل کیا اور ولی اللّٰہی فکر و شعور سے پورے ہندوستان کو منور کیا۔ اسی طرح ہمارے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اکابرین کی امانت ’ولی اللّٰہی فکر‘ کو پاکستان کے نوجوانوں کے لیے ایک اُمیدِ نو بہار کے طور پر پیش کیا اور نئے دور میں ابھرتے ہوئے سورج کی کرن کے طور پر متعارف کرا کر جینے کا ڈھنگ بتایا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے گریجویٹ نوجوان کو اپنی طرف کھینچا اور انھیں اپنی گم شدہ متاع حیات یعنی آزادی کے حصول کے لیے تیار کیا۔ حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے پاکستان میں یونیورسٹی کے نوجوان کو محبت انگیز آغوش میں لیا۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے تھے کہ ہماری گم شدہ متاع حیات (آزادی) ہمیں باشعور نوجوان ہی دلا سکتا ہے۔ اور اگر نوجوان کو صحیح فکر و عمل بتایا جائے اور وہ شعور حاصل کر کے درست حکمتِ عملی اختیار کرے تو آج سرمایہ دارانہ نظام اسی نوجوان کے ہاتھوں تباہ ہوگا۔ انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی طرح ہمیں سمجھایا کہ سامراج مذہبی بنیادوں پر اقوام کا استحصال نہیں کرتا، بلکہ انسانی وسائل پر قبضہ کرنے کی ہوَس رکھتا ہے اور اس کے لیے ان پر جنگیں بھی مسلط کرتا ہے۔ حضرت اقدسؒ نے اس آفاقی شعور کو نوجوان کی بصیرت بنا دیا اور اس ہمہ گیر اجتماعی شعور کی بنیاد پر نوجوانوں میں سماجی تبدیلی کا داعیہ پیدا کرنا اور انقلاب کو ان کی دھڑکن اور مشن بنانا، یہ حضرت اقدسؒ کی کرشماتی شخصیت کا انتہائی کمال ہے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے قدس سرہٗ نے ولی اللّٰہی فکر کی آب یاری کی اور پاکستان کے لاکھوں نوجوانوں تک یہ انقلابی نظریہ پہنچایا۔ 1950ء میں اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی منشا کے مطابق پاکستان آ کر یہاں غلبہ دین کے لیے کام کرنے والی تاریخی انقلابی تحریک کے فکر و نظریے، اکابرین کے تعارف اور ان کی تاریخی جدوجہد سے نوجوان کو روشناس کرانے کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اس کے لیے تعلیمی اداروں (مدارس و کالجز) کے دورہ جات، نوجوانوں سے مسلسل تعلق و گفتگو، ان کی نظریاتی ذہن سازی اور تربیت و تنظیم جاری رکھی، جس کے ذریعے دین اسلام کا عادلانہ نظام غالب ہوگا۔ حضرت اقدسؒ کی زندگی کے یہی مقاصد تھے۔ انھوں نے ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ حضرت اقدس ہمیشہ اکابرین کی بات کرتے اور فرماتے کہ ”ہم آپ کو اکابرین سے جوڑتے ہیں، خود سے نہیں۔“

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا بنیادی پیغام یہی ہوتا تھا کہ ہم نوجوان کو دین کا حقیقی فہم منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ دین کا بنیادی تصور و فہم قرآن حکیم اور سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعتِ صحابہؓ کی زندگی میں ملتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس جماعت کو قرآن حکیم کا انسانیت گیر ترقی پسند نظریہ سمجھایا۔ اس کا اثر و نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے مرحلے میں حجاز سے قریش مکہ اور پھر بعد میں اس دور کی بین الاقوامی ظالم قوت کسریٰ و قیصر کے فاسد نظاموں کا خاتمہ ہوا اور انسانیت ان طاغوتی نظاموں کے ظلم و جور سے آزاد ہوئی۔ (بقیہ صفحہ نمبر 7 پر)

www.rahimia.org

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کے وصال پر تعزیتی مکتوبات

مکتوب 1

حضرت اقدس رائے پوریؒ سے میرا تعلق

انسانی زندگی کے بہت سے معمولات کامیابی اور ناکامی سے عبارت ہوتے ہیں۔ اس میں دنیا اور آخرت کی بہت سی منزلیں' انسانی خواہش کے عین مطابق ہوتی ہیں اور بعض تکمیل کے مراحل کو نہیں پہنچ پاتیں۔ ہر انسانی زندگی کی اساس اسی بنیاد پر ہوتی ہے، مگر ایک وقت، ایک لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے، جہاں ہم اپنی تکمیل کو کسی کی سرپرستی میں دے دیتے ہیں۔ جیسا کہ بچپن ماں کے نام، کہ اس کے بغیر راستے کا تعین ممکن نہیں۔ پھر باپ کے نام، کہ تعلیم و تربیت اور عملی زندگی میں آگے بڑھنا وہ سکھاتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے معلّم اور رہبر کو دیتے ہیں کہ اس کی آگاہی اور تربیت دنیاوی اور اُخروی زندگی گزارنے کے بنیادی اصول اور کامل شریعت کا سبق سکھاتی ہے۔ علم اور تربیت مل کر ایک ایسے وجود کو جلا بخشتے ہیں کہ جس سے مخلوقِ خدا اِستفادہ کرتی ہے۔ میری زندگی اس تحریر میں ایسے ہی کامل اکمل رہبر کی شخصیت کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے والدین کی تربیت اور تعلیمات کو اپنی دنیاوی زندگی پانے کا ذریعہ جانا۔ پھر ایک وقت آیا کہ جستجو بڑھی اور دل رجوع الٰہی کی طرف متوجہ ہوا۔ تو پھر اپنے شیخ اور مرشد کی صحبت سے ایک بے لگام زندگی کو ٹھہراؤ، عمل اور قربتِ الٰہیہ کا ربط ملا۔

دورِ حاضر میں ہر کوئی اپنی شخصیت کو نمایاں کرنا چاہتا ہے اور چند چیدہ چیدہ چیزوں کو کامل دین سمجھتا ہے۔ مگر اس دور میں بھی خداوندِ قدوس نے ایسے کامل اکمل لوگوں کو اپنے دینِ متین کی آب یاری کے لیے قبول فرمایا، جو لوگوں میں خدا کی محبت، دین کی محبت اور مخلوقِ خداوندی کی محبت کو عام کرتے ہیں۔ ایسا ہی ربطٗ خداوند قدوس نے مجھے عطا کیا اور خدا عز و جل نے مجھے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے ملا دیا، جنھوں نے روحانی کیفیات سے میرے قلب کو منور کیا، مجھے علم اور عمل کے قریب کیا اور تربیت فرمائی۔ اس تربیت میں اور علم میں صرف لفاظی نہیں تھی، بلکہ مخلوقِ خدا سے عملی محبت کا جذبہ تھا۔ حضرت اقدسؒ سے پہلی ملاقات گھر پر ہوئی اور پھر ملاقاتوں کا تسلسل بنتا گیا۔ کئی تنظیمی پروگرام اور نشستیں اور سیمینار اٹینڈ کیے۔ علمی سرگرمیوں میں تبدیلی آئی اور لٹریچر سے لگاؤ بڑھا۔ پھر ربط بڑھتا گیا۔ اکثر ادارہ آکر ملاقات اور زیارت کا شرف حاصل کرتا۔

یہ سلسلہ چلتا رہا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ خدا نے یہ تعلق مزید مضبوط کرنا ہے۔ ہر ملاقات اور خطاب سے میں اپنے دل کو گرمانے لگا۔ ایسا لگنے لگا کہ کچھ الہامی چیزیں میرے وجود میں پیوستہ ہونے لگی ہیں۔ مگر کچھ تھا، جو مجھے ان چیزوں سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ شاید وہ میرا نفس تھا یا وہ اعمال جن کی وجہ سے میں قریب آکر بھی دور ہو جاتا۔ ایسے ہی مَیں ایک رات سوچتا سوچتا بستر پر جا لیٹا۔ یہ رمضان المبارک 2006ء کا آخری عشرہ تھا۔ ابھی رات کا چوتھا حصہ ہی گزرا ہوگا کہ حضرتؒ اقدس کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ چند احباب کے ساتھ سامنے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کاشف کے سینے سے کپڑا ہٹاؤ۔ دو صاحبان نے میرے بازو تھام لیے اور ایک صاحب نے قمیض کے بٹن کھولے۔ حضرتؒ نے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی میرے سینے پر پھیری اور قلب اور زبان سے ذکر جاری ہوگیا۔ یہ کیفیت بہت دیر خواب میں رہی۔ پھر جیسے ہی آنکھ کھلی تو زبان پر ذکر جاری تھا اور کیفیت بدل گئی۔ وہ دن اور آج کا دن، میں ایک مکمل زندگی گزار رہا ہوں۔ حضرتؒ کی نسبت نے مجھے گناہوں کی دلدل سے نکال کر خدائے عز و جل کی قربت اور معیت میں دے دیا۔ آج میں سکون کی زندگی گزار رہا ہوں۔ خدا نے اپنی ہر نعمت سے نوازا ہے۔ میں سعودی عرب میں مقیم ہوں۔ خدا کے گھر کی زیارت اور نبیؐ کے روضۂ اقدس پر جانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ الحمد للہ! حضرتؒ اقدس کی توجہ نے کامیاب زندگی کی طرف لٹا دیا۔ خدا سے دعا ہے کہ اللہ ان برکات کو میرے لیے، میری اولاد کے لیے، بلکہ تمام امتِ مسلمہ کے لیے عام کر دے اور ہمیں مخلوقِ خدا کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

میں شکر گزار ہوں ان تمام لوگوں کا، جن کی وجہ سے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت سے منسلک ہوا اور اپنی زندگی کو حقیقی نصب العین کی طرف مبذول کیا۔ خدا عز و جل ہماری رہنمائی فرمائے اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کی جماعت کا فیض نصیب فرمائے۔ آمین! کاشف رحیم ینبیع، المدینة المنورہ، سعودی عریبیہ

مکتوب 2

کل نفس ذائقة الموت

محترم جناب مفتی شاہ عبدالخالق آزاد صاحب السلام علیکم

یقیناً آج کا دن (26ر ستمبر 2012ء) ہماری زندگی اور تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ دن ہمیشہ ایک محسن کی جسمانی جدائی کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ ایک ایسا محسن، جس نے انسانیت کی بقا کے لیے اپنے آپ کو فنا کیا۔ حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری ہمارے بیچ ہمیشہ اپنے کردار کی وجہ سے زندہ رہیں گے۔ ایک ایسا کردار، جس میں ہر لمحہ تنظیم کے پھول کھلتے ہوں، جن کی خوشبو سے یہ فضا ہمیشہ معطر رہے گی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم آج کے دن ان کے پیغام کو، ان کے مشن کو اپنی آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا عہد تازہ کریں۔ اور اللہ پاک سے یہ دعا کریں کہ ہمیں حضرت اقدس کے مشن کو رواں دواں رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نم نگاہوں کا حضرت اقدس کے کردار کو عقیدتوں بھرا اسلام۔

حضرت! اللہ پاک آپ کی کوششوں کو بھی بارآور فرمائے اور سلسلۂ رائے پور کے مشن پر ثابت قدم رکھے اور ہم دوستوں کے لیے آپ کے کردار کو مشعلِ راہ بنائے۔ آمین

والسلام

سید محمد فاروق، حبیب الرحمٰن

بن قاسم ولانڈھی زون، ایسٹ کراچی

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

تعزیتی منظومہ

حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی یاد

از وسیم اعجاز، کراچی

تمھاری یاد آتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے
فضا جب مسکراتی ہے   جدائی یوں ستاتی ہے
تمھاری یاد آتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے

حقیقت کا ترانہ تھا   اندازِ ناصحانہ تھا
محبت ان کا شیوہ تھا   طریقہ مشفقانہ تھا
ادا دل میں سماتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے

وہ میرا چارہ گر اب تک   ہے جاری یہ سفر اب تک
عدوّ ہے بے اثر اب تک   ہے تو ہی معتبر اب تک
غبارِ راہ مٹاتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے

ہوئے مسند نشیں دیکھو   عبدِ خالق ، نگیں دیکھو
تسلسل رائے پوریؒ کا   وہی نظرِ حسیں دیکھو
دلوں کو جب جلاتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے

انھی کی مہربانی ہے   میری یہ زندگانی ہے
یہیں سے زندگی لی تھی   یہیں سے موت پانی ہے
یہ خواہش جھلملاتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے

یہیں سے مدعا پایا   انھی کو رہ نما پایا
وسیمؔ ان سا نہیں کوئی   انھی کو ناخدا پایا
نظر اس طرف جاتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے
تمھاری یاد آتی ہے   تمھاری یاد آتی ہے

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال(1): خالد اور زاہد میں زمین کا تنازعہ پیش آیا۔ دونوں نے زمین کی ملکیت کا دعویٰ کر دیا۔ پھر دونوں نے تنازعہ حل کرنے کے لیے عمر کو ثالث بنایا، تاکہ شریعت کی روشنی میں اس معاملے کو حل کریں۔ بعد میں جب فیصلے کا وقت آیا تو فیصلہ سنانے سے تھوڑا پہلے خالد نے عمر کو ثالث ماننے سے انکار کر دیا، لیکن اس کے باوجود عمر نے خالد کے خلاف زاہد کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ کیا یہ فیصلہ شریعت کے ہاں نافذ العمل ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ خالد کا عین فیصلے کے وقت عمر کو ثالث نہ ماننا کیسا ہے؟ اور یہ کہ زاہد اس زمین کا مالک بن جائے گا یا نہیں؟ شرعی حوالے سے رہنمائی فرمائیں۔

جواب: ثالث کے فیصلے کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ فریقین رضامندی کے ساتھ اس کو اپنے متنازعہ مسئلے میں فیصل قبول کریں۔ اور اگر قبل از فیصلہ اگرچہ تھوڑی دیر پہلے ہو، فریقین میں سے کسی ایک نے بھی اپنی عدم رضامندی ظاہر کر دی تو اس ثالث کا فیصلہ نافذ العمل نہ ہوگا۔

سوال(2): ایک شخص عصر کی نماز کے چار فرض ایسے وقت میں پڑھتا ہے کہ سورج نصف اندر ہے اور نصف باہر۔ کیا ایسے وقت میں نماز عصر پڑھنے سے اس شخص کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

محمود احمد علوی، چشتیاں

جواب: نماز عصر اگر کسی وجہ سے بروقت ادا نہیں کر سکا اور سورج غروب کے قریب ہے تو اس وقت بھی عصر کی نماز ادا کر لینی چاہیے۔ اگر دورانِ نماز آفتاب غروب ہو گیا' تب بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

سوال(3): ایک شخص ایک مسجد میں اذان کہتا ہے اور پھر وہ شخص دوسری مسجد میں نماز پڑھنے چلا جاتا ہے۔ اس کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ ایسے ہی یہ بھی بیان کریں کہ اس کی اذان کہنے میں کوئی حرج تو لاحق نہیں ہوتا؟

عبداللہ، پشین، بلوچستان

جواب: مؤذن نے مسجد میں اذان کہی ہے تو نماز بھی وہیں ادا کرے۔ ہاں اگر یہاں اور کوئی نمازی نہیں اور دوسری مسجد میں جہاں جانا چاہتا ہے' وہاں جماعت کا اہتمام ہے تو یہ دوسری مسجد میں جا سکتا ہے۔ البتہ یہ مستقل عادت نہ بنائی جائے۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)

حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف انژ (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)

حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔